نوکرانی

ایم۔ اے۔ کنولؔ جعفری

127/2، تحصیل دھام پور، ضلع بجنور(یوپی)، موبائل: 9917767622

دارالخلافہ کے قریب واقع نئی طرز کے شہر میں جہاں آسمان چھونے کی ناکام سعی کرنے والی عالیشان بلڈنگیں ہیں، وہیں پچاس ساٹھ گھروں پر مشتمل ایسی بستی بھی ہے جس کی پہچان دُور سے ہو جاتی ہے۔ اس سمت سے گزرنے والے لوگوں کو کافی پہلے ہی سے بدبو اور تعفّن کا احساس ہونے لگتا ہے۔ کچھ افراد، خاص کر عورتیں تو ناک پر رُومال رکھ کر گزرتی ہیں۔ بناوٹ اور تعمیر کے اعتبار سے قریب قریب ایک جیسے دکھائی پڑنے والے گھروں میں جھگّی، جھونپڑی، ٹن شیڈ یا ایک کمرے پر مشتمل معمولی قسم کے کچّے کمرے تو دکھائی دیتے ہیں، لیکن پوری جھونپڑ پٹّی میں ایک بھی مکان پختہ نہیں ہے۔ بے حد غریبی میں زندگی کا بوجھ ڈھونے والے ان لوگوں کے پاس سر چھپانے کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ بستی کے لوگوں کو کھلے عام دھوپ برداشت کرنے اور بارش کے موسم میں بھیگنے کی عادت پڑ گئی ہے۔

کئی دہے قبل گاؤں دیہات میں دو وقت کی روٹی کے لیے پریشان کئی کنبے کام کاج کی تلاش میں مع اہل وعیال شہر میں آ گئے تھے۔ کھانے کو روٹی اور رہنے کو ٹھکانہ نہیں تھا۔ کام کاج کی تلاش کے ساتھ خالی پڑی افتادہ جگہ میں عارضی جھگّیاں ڈالی گئیں۔ برسوں سے رہ رہے ان لوگوں کے پاس اپنے شناختی کارڈ کے علاوہ آدھار کارڈ بھی ہیں، لیکن مستقل روزگار نہیں ہے۔ ان میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہے۔ انہی کے بیچ کئی کنبے ہندوؤں کے بھی آباد ہیں۔ مسائل سب کے ایک جیسے ہیں۔ یکسانیت کا یہ عالم ہے کہ بھوک افلاس سے دوچار گھروں میں کھانے پینے کا کوئی انتظام ہو یا نہ ہو، لیکن ہر گھر میں تین چار بچّے ضرور مل جائیں گے۔ کسی گھر کا کوئی بچّہ شاید ہی کبھی پورے لباس میں نظر آئے۔ ان کی عید اور دیوالی بھی آدھے اُدھورے کپڑوں میں گزر جاتی ہے۔

بستی کے کئی مرد نئے مکانوں کی تعمیر یا پُرانے گھروں کی مرمّت کا کام کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اِن معماروں کے پاس دِن بھر مزدوری کر کے شام کو بچّوں کے لیے بغیر سبزی کی روٹی کا جگاڑ کرتے ہیں۔ چند لوگ شہر کی دُکانوں پر چھوٹی موٹی نوکری کرتے ہیں۔ بستی میں ایسے کام چور مرد بھی ہیں، جو خود کام نہیں کرتے، بلکہ اُن کا انحصار اپنی عورتوں کی کمائی پر ہے۔ عورتوں کو گھر کا خرچ چلانے کے لیے شہر کے بڑے لوگوں کے یہاں بطور خادمہ کام کرنا پڑتا ہے۔ ان گھروں میں غریب عورت کی رسائی آسان نہیں ہے۔ نوکری حاصل کرنے کے لیے آدھار کارڈ اور کسی پہچان کے شخص کی ضمانت درکار ہوتی ہے۔

نہال اور جگدیش کے گھر آمنے سامنے ہیں۔ جگدیش کے گھر میں بیوی انیتا کے علاوہ کامنا اور دیپک نام کے دو بچّے ہیں۔ جگدیش شہر میں کسی بنئے کے یہاں پرچون کی دُکان پر کام کرتا ہے۔ وہ روزانہ صبح سویرے دوپہر کا کھانا باندھ کر کام پر جاتا ہے۔ واپسی میں اُسے دِن چھپ جاتا ہے۔ کبھی کبھی رات بھی ہو جاتی ہے۔ بیڑی پینے کے علاوہ اُس میں کوئی دوسری لت نہیں ہے۔

حالانکہ جگدیش کو ہر مہینہ تنخواہ میں اتنے روپے مل جاتے ہیں کہ گھر کا خرچ اُٹھانے کے بعد بیس پچّیس روپے کی بچت ہو جاتی ہے، لیکن انیتا اتنے پر مطمئن نہیں ہے۔ وہ بستی کی درجنوں خادماؤں کے ساتھ علی الصباح شہر جاتی ہے۔ اُسے جس گھر میں نوکری ملی ہے، اُس کا مالک اور مالکن دونوں دفتر میں کام کرتے ہیں۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اُس کا پہلا کام صاف صفائی اور ڈبل بیڈس کی چادریں بدلنا رہتا ہے۔ اس کے بعد کچن میں داخل ہوتی ہے۔ سِنک میں پڑے رات بھر کے جُھوٹے برتنوں کو دھوتی ہے۔ پھر اُنہیں خشک کرا سٹینڈ میں لگاتی ہے۔ اس کے بعد مالک، مالکن اور ان کے دونوں بچّوں کے لیے ناشتہ بناتی ہے۔ ناشتہ تیار ہونے کے بعد اُسے میز پر لگاتی ہے۔ اس درمیان گھر کے سبھی افراد نہانے کے عمل سے فراغت پا کر کھانے کی میز پر آ جاتے ہیں۔ اِدھر اہلِ خانہ ناشتہ کرتے ہیں، اُدھر وہ دوپہر کا کھانا ان کے لنچ باکسز میں رکھ دیتی ہے۔ مالک کی ماں دھار مِک مہیلا ہیں۔ بغیر پوجا پاٹھ کے ایک دانہ بھی منھ میں نہیں ڈالتیں۔ وہ پوجا سے فارغ ہو کر ہی ناشتہ کرتی ہیں۔

انیتا اس دَوران بھی خالی نہیں بیٹھتی۔ وہ کمرے سے واشنگ مشین نکال کر باہر لاتی ہے۔ دیوار میں نصب پانی کی ٹونٹی سے پائپ جوڑ کر مشین میں پانی بھرتی ہے۔ پھر اندازے سے کئی چمچ واشنگ پاؤڈر مشین میں ڈال کر اُسے آن کرتی ہے۔ پاؤڈر کے پانی میں گھلنے کے بعد پہلے سفید کپڑے دھوتی ہے۔ بعد میں رنگین کپڑوں کی دُھلائی کی جاتی ہے۔ سفید کپڑے پہلے دھونے سے اُن پر رنگین کپڑوں کا رنگ نہیں لگتا۔ صاف پانی اور نئے پاؤڈر میں دُھلے سفید کپڑوں کی چمک الگ ہی دکھائی دیتی ہے۔ گیلے کپڑے مشین کے دوسرے خانے میں ڈال کر سُکھاتی ہے۔ غرض کپڑوں کو دھونا، سُکھانا، کچھ دیر سائے میں پھیلانا اور پھر اُن پر پریس کر کے اُنہیں الماری میں رکھنا اُس کا روزمرہ کا کام ہے۔

عام طور پر انیتا قریب گیارہ بجے کام سے فراغت پا کر اپنا ناشتہ کھانا لیے گھر لوٹ آتی۔ ایسا کرنے سے اُسے اپنے گھر دوپہر کا کھانا بنانا نہیں پڑتا۔ وہ کچھ دیر کے لیے چارپائی پر لیٹ کر آرام کرتی اور اسکول گئے بچّوں کی واپسی کا انتظار کرتی ہے۔ بچّوں کے گھر میں قدم رکھتے ہی خوشی خوشی کھڑے ہوکر ان کا استقبال کرتی ہے۔ بچّے اپنی پیٹھ سے بستہ اُتار کر میز پر رکھتے ہیں۔ پھر بستی میں لگے سرکاری نل پر نہا دھوکر کپڑے تبدیل کرتے ہیں۔ اتنی دیر میں وہ ان کے لیے کھانا لگاتی ہے اور خود بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتی ہے۔

انیتا اپنی ازدواجی زندگی سے مطمئن تھی، لیکن سامنے کے گھر میں رہنے والی سیما اپنی گھریلو زندگی سے خوش نہیں تھی۔ نہال کسی دِن مزدوری پر چلا جاتا، تو کئی کئی روز ناغہ کرتا۔ گھر میں ہمہ وقت ہر چیز کی تنگی رہتی۔ میاں بیوی کے علاوہ پانچ بچّے تھے۔ غُربت کا یہ عالم تھا کہ بچّوں کو کھانا کھلانے کے بعد نہال اور سیما کے لیے کھانا کم رہ جاتا۔ اُنہیں پیٹ بھر کھانا کھائے کئی کئی دِن ہو جاتے۔ پہننے اوڑھنے کے کپڑے بھی معمولی ہوتے۔ اِنہیں ہر ہفتہ سڑک کے کنارے لگنے والے بازار کی پھڑ سے خریدا جاتا۔ عید کے موقع پر نئے کپڑے اتفاق سے ہی نصیب ہوتے۔ صبر و شکر کے ساتھ زندگی کی گاڑی گھسٹ تو رہی تھی، لیکن حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے تھے۔ آخر کار اُس نے بھی انیتا کی طرح کسی بڑے گھر میں نوکری کرنے کا ارادہ کرلیا۔

انیتا اپنے کام سے فراغت پا کر گھر آ گئی تھی، لیکن ابھی بچّے اسکول سے نہیں لوٹے تھے۔ سیما نے موقع کو غنیمت جانا اور انیتا سے ملنے اُس کے گھر گئی۔ انیتا، سیما کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی اور اُس کی خیریت معلوم کی۔ سیما نے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے سیدھے سیدھے اپنی پریشانی انیتا کے سامنے رکھ دی اور اُس سے کسی ٹھیک ٹھاک گھر میں صاف صفائی کا کام دِلانے کی درخواست کی۔

انیتا نے سیما کی بات غور سے سُنی۔ اُس نے پریشانی کی ایک وجہ بڑے پریوار کو بتاتے ہوئے اِس پر قدغن لگانے کا مشورہ دیا۔ سیما شرم سے زمین میں گڑ گئی۔ اُس نے سر اُوپر اُٹھایا، انیتا کی جانب دیکھا اور بڑے اعتماد کے ساتھ کہا، ”بہت ہو چکا۔ بس اَب اور نہیں! یقین مانئے، بالکل نہیں!!“

”ہاں! اب بالکل نہیں!!“ سیما کے فیصلہ سے انیتا کا چہرہ کھل اُٹھا۔ اُس نے سیما کو ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔ اُمید جتائی کہ ایک دو روز میں کام مِل ہی جائے گا۔ سیما نے انیتا کا شکریہ ادا کیا اور گھر واپس آ گئی۔

چار دِن بعد سیما ماسٹر رمیش کے گھر کام پر جانے لگی۔ وہ چھوٹے بیٹے کو گھر پر ہی چھوڑ جاتی۔ اُس کے آنے تک نہال بچّے کی دیکھ بھال کرتا۔ اگر نہال کو کہیں جانا ہوتا، تو بڑی بیٹی چھوٹے بھائی کا دھیان رکھتی۔ سیما کو ماسٹر رمیش کے گھر کام کرتے ہوئے آٹھ مہینے بیت گئے۔ مالک یا مالکن کو اُس سے کسی طرح کی شکایت نہیں ہوئی۔ رفتہ رفتہ اُس کی حیثیت گھریلو ممبر کی سی ہوگئی۔

ایک روز کپڑے دھوتے ہوئے سیما کو ماسٹر جی کی پینٹ میں کچھ روپے ملے۔ روپے ٹکٹ پاکٹ میں رکھے تھے۔ اُس نے روپے مالکن کے حوالے کر دیے۔ مالکن سیما کی ایمانداری پر حیران رہ گئی۔ اُس نے پانچ ہزار روپے لوٹانے پر سیما کا شکریہ ادا کیا۔ جب ماسٹر جی اسکول سے لوٹے، تب کِرَن نے اُن کی جیب سے نکلے روپیوں کا تذکرہ کیا۔

ماسٹر رمیش بولے، ”ارے ہاں! جیب میں پانچ ہزار روپے تھے۔ دو نوٹ دو دو ہزار اور دو پانچ پانچ سو کے۔“

”جی ہاں، پانچ ہزار! یہ نوٹ سیما کو اُس وقت ملے، جب وہ جیبوں کی تلاشی کے بعد کپڑے مشین میں ڈال رہی تھی۔ ہماری نوکرانی نیک اور ایماندار ہے، ورنہ اس طرح نکلے روپے اکثر نوکر غائب کر دیتے ہیں۔“ کرن نے کہا۔

”اِس کی ایمانداری تو اُسی روز ثابت ہوگئی تھی، جب اُس نے کام پر آتے ہوئے باہری دروازے میں گر گیا میرا پرس تمہیں لا کر دے دیا تھا۔ تب تو اُس نے پرس کھول کر بھی دیکھا تھا۔ اُس میں ۲۰ ہزار روپے تھے۔ سیما کی جگہ کوئی اور ہوتی، تو پرس لے کر غائب ہوگئی ہوتی۔ تم نے تو اُس سے کہا بھی تھا کہ اگر وہ پرس نہ لوٹاتی تو ہمیں کیا پتہ چلتا۔ ہم تو یہی سوچتے

کہ پتہ نہیں کہاں گرا ہے۔'' ماسٹر رمیش نے سیما کی ایمانداری پر تصدیقی مہر ثبت کرتے ہوئے اپنی بات پوری کی۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں۔وہ واقعی نیک اور صالحہ ہے۔اُس دن میں نے بیس ہزار روپے میں سے ایک ہزار روپے بطور انعام دینے چاہیں، مگر اُس نے قبول نہیں کیے۔اُس نے صاف کہا، اگر وہ چاہتی تو بٹوے کے سارے روپے رکھ سکتی تھی، لیکن وہ اُس خاندان کی بیٹی ہے، جس میں سکھایا جاتا ہے کہ ایمانداری کی ایک روٹی بے ایمانی کی ڈھیر ساری روٹیوں سے بہتر ہے۔'' کرن نے کہا۔

ایک دن انیتا نے ماسٹر رمیش کے گھر میں داخل ہوتے ہوئے سیما کو آواز دی۔ماسٹرنی جی کمرے سے نکل کر آئیں۔اُنھوں نے بتایا کہ سیما کام ختم کر کے گھر جا چکی ہے۔''انیتا تمہارا بہت بہت شکریہ!''

''کس بات کا شکریہ ماسٹرنی جی؟ کیا ہوا، جو اتنا خوش ہیں؟'' انیتا نے سوال کیا۔

''بات ہی خوشی کی ہے۔تم نے جس نوکرانی کا انتظام ہمارے لیے کیا ہے، وہ بہت شریف، نیک اور ایماندار ہے۔'' کرن نے کہا۔

''کیا ہوا؟ ذرا ہم بھی تو سنیں!!'' انیتا نے پوچھا۔

''ایک روز گھر میں قدم رکھتے وقت سیما کو دروازے میں ماسٹر جی کا پرس پڑا ملا تھا۔اُس میں ۲۰ ہزار روپے تھے۔روپے دیکھنے کے باوجود اُس نے بٹوا میرے حوالے کر دیا تھا۔آج کپڑے دھوتے وقت ماسٹر جی کی جیب سے پانچ ہزار روپے نکلے اور اُس نے روپے اُسی حالت میں میرے ہاتھ پر لا رکھے۔اس سے پہلے کسی نوکرانی نے نہ تو اس طرح ہمیں کبھی روپے لا کر دیے اور نہ کہیں گری پڑی چیز ہی اُٹھا کر دی! کئی بار روپے اور چیزیں غائب ہوئیں، لیکن مجال جو کسی نے کچھ لوٹایا ہو۔سیما اچھی نوکرانی ہے۔'' ماسٹرنی نے سیما کی تعریف کی۔

''کوئی بھی مسلمان اگر اپنے دین پر چلتا ہے، تو وہ یقیناً ایماندار ہی ہوتا ہے۔سیما غریب ضرور ہے، لیکن خوددار اور دیانت دار ہے۔گھر میں کتنی ہی پریشانی کیوں نہ ہو، مگر معمولی چیز کے لیے بھی نہ تو سوال کرتی ہے اور نہ ہی کسی کے سامنے ہاتھ پھیلاتی ہے.....'' انیتا نے اُس کی خوبیاں گنانی شروع کر دیں۔

''تو کیا سیما مسلمان ہے؟ ہم تو سمجھ رہے تھے کہ وہ ہندو ہے۔ہندوؤں میں سیما نام کافی پائے جاتے ہیں۔؟'' ماسٹرنی جی نے حیرت زدہ نظروں سے انیتا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''جی ہاں! سیما مسلمان ہے!!'' انیتا نے مختصر جواب دیا۔

''اگر تم پہلے بتا دیتیں، تو شاید ہم سیما کو اپنے یہاں کام نہ دیتے، مگر خیر! نہ بتا کر تم نے اچھا ہی کیا۔'' ماسٹرنی کے دِل کی بات زبان پر آ گئی۔

''مگر کیوں......؟'' انیتا نے سوال کیا۔

''وہ اس لیے کہ مسلمان ٹھیک نہیں ہیں۔زیادہ تر کا رویّہ بہت خراب ہے۔ایک تو یہ جھوٹ بہت بولتے ہیں۔دوسرے جھوٹی سچّی قسمیں کھانے میں دیر نہیں لگاتے۔تیسرے اُدھار یا قرض کی آسانی سے واپسی نہیں کرتے۔چوتھے پوری اُجرت لے کر بھی کام خراب اور ادھورا کرتے ہیں۔پانچویں پولیس ریکارڈ میں موجود چور، بدمعاش، جواری، اُچکّے، مغوی، قاتل، زانی، فریبی، دھوکے باز، جعلساز، غاصب، لٹیرے اور دہشت گردوں میں زیادہ تعداد مسلمانوں کی ہوتی ہے۔'' ماسٹرنی جی نے اپنے قلب کے کسی گوشے میں چھپی مسلموں کے تئیں اپنی نفرت اور حقارت کو ایک ہی سانس میں اُلٹ کر دم لیا۔

''آپ کی بات کسی حد تک صحیح ہو سکتی ہے، لیکن سارے مسلمان ایک جیسے نہیں ہوتے۔خراب لوگ تو ہندوؤں میں بھی ہوتے ہیں۔سیما اُن میں سے بالکل نہیں ہے۔وہ نہایت شریف، دیندار اور پکّی سچّی مسلمان ہے۔میرا یقین ہے کہ اس سے آپ کو کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔میرے گھر کے ٹھیک سامنے رہتی ہے۔بستی میں اور بھی مسلمان ہیں، لیکن سیما کی بات ہی الگ ہے۔برسوں سے جانتی ہوں اسے۔'' انیتا نے اپنی بات پوری کی اور ماسٹرنی جی سے اجازت لے کر گھر سے باہر آ گئی۔

''چلیے! ہمیں سیما کے مسلمان ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے۔وہ کام بڑی صفائی سے کرتی ہے۔ایماندار بھی ہے اور ہمیں کیا چاہیے؟ اس سے قبل تو جتنی بھی نوکرانیاں ملیں، سب ہاتھ چلک، کام چور اور مکر و فریب کا مجسمہ تھیں۔'' مالکن نے خود کو تسلّی دی۔

روپے لوٹانے کے واقعہ کے بعد سے سیما کی وقعت اس گھر میں اور بڑھ گئی تھی۔ماسٹر جی کو بھی اس کا علم ہونا ہی تھا۔اُنہوں نے صاف کہا کہ ہمیں اس کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ہمیں اپنے کام سے کام اور اُسے اپنی تنخواہ سے مطلب۔

وقت کا پرندہ تیز اُڑان پر تھا۔اسی دَوران ایک روز کرن کی ماتا جی بیٹی کے یہاں کچھ دِن رہنے کے ارادے سے تشریف لے آئیں۔اُنھوں نے محسوس کیا کہ نوکرانی ہر کام شروع کرنے سے پہلے کچھ بُدبُداتی ہے۔شاید بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتی ہے۔وہ کرسی سے اُٹھیں اور کمرے میں داخل ہو کر بیٹی سے بولیں، ''بیٹی کرن! تیری نوکرانی تو پرتیک کاریہ آرمبھ کرنے سے پورو کچھ اَیسے شبدوں کا اُچّارن کرتی ہے، جو صرف مسلمانوں

کے مکھ سے سُنے جاتے ہیں۔ یہ تو مجھے مسلمان لگے ہے۔''

''ہاں ماں! سیما مسلمان ہے۔ بہت نیک، ایماندار اور بھروسہ کی عورت۔'' کرن نے ماں سے سیما کی تعریف کی۔

''اگر مجھے پتہ ہوتا کہ تُو نے رگرہ کاریہ کے لیے دھرم بھرشٹ کرنے والی نوکرانی رکھ لی ہے، تو میں تیرے گھر کداپی پدار پن نہ کرتی۔'' ماں جی نے اپنے مَن کی بات کہہ دی۔

''ماں پڑھے لکھے لوگوں کو دھرم، جات، اُونچ نیچ اور چُھوا چھوت کا بھید نہیں کرنا چاہئے۔ سب اُس ایک مالک کے بنائے ہیں۔ وہ آپ کو بھی مسلمان کے گھر پیدا کر دیتا، تو آپ کیا کرتیں؟'' کرن نے ماں کو سمجھانے کی کوشش کی۔

''خیر تو جانے، تیرا کام جانے، میں تو اِس کے ہاتھ کا چھوا کچھ بھی گرہڑ نہیں کروں گی۔ کہے دیتی ہوں، ہاں!'' اِسی کے ساتھ ماں جی ہونٹ بچکاتی ہوئی کرسی پر جا بیٹھیں۔

ماں جی کو آئے ابھی ایک ہفتہ ہی ہوا تھا۔ اتوار کے روز کرن کا بھائی جے دیو آ گیا۔ اُس نے ماں جی، بہن، بہنوئی اور بھانجے و بھانجی کے ساتھ دوپہر کا کھانا کھایا۔ کچھ دیر آرام کیا اور پھر کسی کو بتائے بغیر گھر لوٹ گیا۔ قریب چار بجے سوکر اُٹھی ماں جی کی نگاہ ہُک میں لٹکے اپنے بیگ پر پڑی۔ بیگ کی زِپ کھلی تھی۔ وہ گھبرا گئیں اور جلدی سے بیگ کھول کر دیکھا۔ بیگ میں رکھے پندرہ ہزار روپے غائب تھے۔ اُن کے پیروں تلے کی زمین نکل گئی۔ اُنہوں نے بیٹی اور داماد کو پکارتے ہوئے گھر سر پر اُٹھا لیا۔ کرن اور رمیش بھی دوڑے دوڑے آئے۔ ''کیا ہوا ماں جی؟ کیا ہوا ہے؟''

''میں لُٹ گئی۔ برباد ہو گئی۔ میری برسوں کی کمائی چلی گئی۔ پندرہ ہزار روپے جیسے تیسے جوڑے تھے۔ سب چرا لیے کمبخت نے۔ میں اُسے نہیں چھوڑوں گی۔ رپورٹ لکھاؤں گی۔ پولیس سب پتہ لگا لے گی۔'' ماں جی اپنے نقصان پر بہت دُکھی تھیں۔

''کس نے نکالے آپ کے روپے؟ کون ہوسکتا ہے وہ؟'' کرن نے پوچھا۔

''ماں جی، کس نے چرا لیے، آپ کے روپے؟ کسی پر شک ہے آپ کو؟'' رمیش نے معلوم کیا۔

''شک ہی نہیں! پورا یقین ہے۔ اُس مسلٹی نوکرانی کے علاوہ کوئی نہیں چرا سکتا میرے روپے۔'' ماں نے سیدھا الزام سیما پر لگا دیا۔

''آپ کو دھوکا ہوا ہے ماں جی۔ سیما ایسا نہیں کر سکتی۔ وہ بہت شریف اور بھروسے پر کھری اُترنے والی دیندار عورت ہے۔'' کرن نے کہا۔

''اچھا نوکرانی تو بھروسے کی ہو گئی! اور ماں!! جس نے تجھے نو مہینے پیٹ میں رکھا۔ خود گیلے میں لیٹ کر تجھے سوکھے میں سلایا۔ پال پوس کر بڑا کیا، پڑھا لکھا کر کسی قابل بنایا اور تیرا وِواہ کر کے اس گھر میں پہنچایا، وہ ماں بے بھروسے کی ہو گئی۔ پچھتائی میں تیرے گھر آ کر۔ نہ آتی تو اچھا تھا۔ کم سے کم.... ٹھیک ہے میں صبح ہوتے ہی اپنے گھر چلی جاؤں گی۔ تو اِس گھر میں مسلٹی کو رکھ۔'' اتنا کہہ کر ماں جی خاموش ہو گئیں۔

رمیش نے کہا، ''ماں جی آپ فکر نہ کریں۔ آپ کے روپے مِل جائیں گے۔ یہیں کہیں ہوں گے۔ کل کو جب سیما آئے گی، تو اُس سے بھی معلوم کر لیں گے۔''

''اُس سے معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ایسا کیوں کرے گی، جو عورت ۲۰ ہزار روپے دروازے سے اُٹھا کر اور کپڑے دھوتے وقت پینٹ سے نکلے پانچ ہزار روپے لوٹا سکتی ہے، وہ ایسا کر ہی نہیں سکتی۔ ہم اُس سے نہیں پوچھیں گے۔ اگر اِس میں اُس کا کوئی ہاتھ ہوگا، تو وہ خود ہی بتا دے گی۔'' کرن نے ایک طرح سے بات ختم کر دی۔

اگلے دن کام پر آئی سیما سے ماسٹر رمیش اور ماں جی نے الگ الگ معلومات کی، مگر اُس نے روپیوں کے بارے میں لاعلمی ظاہر کی۔ کرن کے نوکرانی سے پوچھ تاچھ نہ کرنے پر ماں جی ناراض ہو گئیں۔ وہ گھر جانے کے لیے اُٹھ کھڑی ہوئیں، تو ماسٹر جی کو غصّہ آ گیا۔ اُنہوں نے سیما سے سخت لہجہ میں پوچھا، ''سچ سچ بتاؤ سیما! نہیں تو ہم تمہارے خلاف پولیس کیس کریں گے۔''

''مالک آپ بڑے لوگ ہیں۔ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ اتوار کی تعطیل کے سبب آپ تو گھر پر ہی تھے۔ میں آپ کے سامنے ہی کھانا ٹیبل پر لگا کر گھر چلی گئی تھی۔ مجھے تو یہ بھی علم نہیں کہ روپے رکھے کہاں تھے؟ آپ ہی سوچیے، میں روپے کیوں چراؤں گی؟ مجھے ضرورت ہوتی تو آپ سے یا مالکن جی سے کہہ کر اُدھار لے سکتی تھی۔ خدا کے واسطے مجھ پر الزام مت لگائیے....'' اتنا کہتے کہتے سیما رونے لگی۔

کرن کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے اور کیا نہ کرے؟ ماں جی نے سیما کو خوب برا بھلا کہا اور اُسے گھسیٹتے ہوئے کمرے میں بند کر دیا۔ سیما اپنی بے گناہی کا ثبوت دیتی رہی، روتی رہی، مگر ایک بیکس و مجبور کی کمزور سسکیاں کمرے میں ہی دَم توڑتی رہیں۔

سیما کے شام تک گھر نہیں پہنچنے پر نہال نے سمجھا کہ گھر پر کام زیادہ

ہونے کی وجہ سے وہ وہیں رُک گئی ہے۔ صبح آ جائے گی، لیکن جب وہ صبح کو بھی نہیں آئی، تب نہال نے ماسٹر جی کے گھر جا کر معلوم کیا۔ دروازے پر آئی بوڑھی عورت نے کہا، ''وہ تو شام سے پہلے ہی گھر چلی گئی تھی۔''

یہ سن کر نہال گھبرا گیا۔ اُس کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔ اُس نے بستی کے لوگوں کو اکٹھا کیا اور سیما کے گھر نہیں لوٹنے کی بات اُن کے سامنے رکھی۔ بستی والے جمع ہو کر ماسٹر جی کے مکان پر پہنچے اور ہنگامہ کرنے لگے۔ رمیش گھر کے سامنے بستی والوں کو احتجاج اور ہنگامہ کرتے دیکھ کر گھبرا گیا۔ اُس نے کمرے میں بند سیما کو باہر نکال کر گھر جانے کے لیے کہا۔

سیما خاموشی کے ساتھ گھر سے باہر آ گئی۔ سیما کو گھر سے نکلتے دیکھ کر بستی والوں کا غصّہ بڑھ گیا۔ انہوں نے ماسٹر کے خلاف جم کر نعرے بازی کی۔ سیما نے آ کر اُنہیں ہنگامہ کرنے سے روکا اور چوری کے الزام میں کمرے میں بند کرنے کی تفصیل سے آگاہ کیا۔

یہ سنتے ہی انیتا آگ بگولہ ہو گئی اور ماسٹر جی کے گھر کی طرف لپکی، مگر سیما نے اُسے روک لیا اور سب لوگوں کو بستی میں واپس لے آئی۔ سیما کا کام پر جانا بند ہو گیا۔ وہ خاموش اور بجھی بجھی رہنے لگی۔

ماسٹر رمیش نے بلڈنگ والوں کو اپنے گھر دعوت پر بلایا اور اُنہیں بتایا کہ مسلم بستی میں رہنے والے گندے لوگ بنگلہ دیشی ہیں اور دیش مخالف سازشوں میں ملوث رہتے ہیں۔ انہیں یہاں سے ہٹانے کے لیے مہم چھیڑنے کی ضرورت ہے۔ گھروں میں کام کرنے والی بستی کی عورتیں اکثر چوری کرتی ہیں۔ ہماری نوکرانی نے پندرہ ہزار روپے چوری کر لیے۔ ہم نے اُسے ہٹا دیا ہے۔ یہ لوگ بھروسے کے نہیں ہیں۔ ان سے دور رہنا چاہئے۔ لوگوں نے ماسٹر رمیش کی بات بڑے غور سے سنی اور اُن کی رائے کو تسلیم کر لیا۔ انہوں نے بستی والوں کے خلاف کی جانے والی کارروائی کو حتمی شکل دینے پر اتفاق کے ساتھ ماسٹر رمیش کو اپنا قائد چن لیا۔

چار دن بعد رمیش، بچّے، کرن اور ماتا جی ٹیبل پر ناشتہ کر رہے تھے۔ اِسی دوران جے دیو اندر داخل ہوا اور ہاتھ کا لفافہ میز پر رکھتے ہوئے بغیر ہاتھ منھ دھوئے اُن کے ساتھ ناشتہ میں شامل ہو گیا۔

ناشتہ کے بعد ماں نے پوچھا، ''لفافہ میں کیا ہے، بیٹا؟''

''کچھ نہیں.....! آپ کے روپے ہیں۔ لوٹانے آیا ہوں۔ آپ کے بیگ سے لے گیا تھا۔ پوچھے بغیر!! معاف کرنا، ماں جی! ذرا جلدی میں تھا۔ سب سو رہے تھے۔ ڈسٹرب کرنا مناسب نہیں سمجھا۔'' جے دیو نے لفافے سے روپے نکالتے ہوئے کہا۔

''تو کیا، تو پھر میرے روپیوں سے جوا کھیل آیا؟'' ماں نے بیٹے کی طرف گھور کر دیکھا۔

ماسٹر رمیش نے کرن پر نگاہ ڈالی اور پھر کچھ سوچتے ہوئے چھت کی طرف دیکھنے لگا۔

کرن کے چہرے پر زبردست غصّہ تھا۔ وہ خاموشی سے اُٹھی اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔

جے دیو نے روپے ماں کی طرف بڑھا دیے، مگر ان روپیوں کے لیے ہاتھ نچا نچا کر ہنگامہ کرنے والی ماں کے ہاتھ نہیں اُٹھ سکے۔

○○

انتخاب کلام شمیم کرہانی

شمیم کرہانی ایک معروف و مقبول شاعر تھے۔ خوش روئی و خوش خوئی، خوش گوئی و خوش گلوئی ان کی اس مقبولیت کے اہم عناصر تھے۔ وہ ایک قادرالکلام اور پُرگو شاعر تھے۔ تقریباً ہر صنف میں طبع آزمائی کی۔ بنیادی طور پر وہ غزل کے شاعر تھے۔ ان کی غزلوں میں غمِ جاناں بھی ہے، غمِ دوراں بھی۔ غمِ دل بھی ہے غمِ روزگار بھی۔ غمِ حیات بھی ہے غمِ کائنات بھی۔ ان کی غزلوں میں داخلیت و خارجیت، روایت اور عصری حسیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ مختصر ہونے کے باوجود جامعیت کا حامل یہ انتخاب ان کی شاعرانہ شخصیت کا پورا احاطہ کرتا ہے۔

مرتب: پروفیسر حنیف کیفی، صفحات: ۹۶، قیمت: ۲۵ روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی